عالم الغیب کا مطلب ہے کہ اس کو فنا نہیں۔
صفت سلام سے متصف ہو کر دنیا کو امن دے سکیں گے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 26 رمئی 1995ء بمقام ناصر باغ جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۴﴾ (الحشر: 23، 24)

پھر فرمایا:۔

آج کل اسماء باری تعالیٰ کے بیان کا ایک سلسلہ شروع ہے اور آج بھی اسی سے متعلق انشاء اللہ میں کچھ مزید امور آپ کی خدمت میں پیش کروں گا لیکن آج مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کا سولہواں سالانہ اجتماع بھی شروع ہو رہا ہے اور اس اجتماع کے لئے چونکہ خصوصیت سے یہی جمعہ افتتاحی اعلان کے لئے بھی رکھا گیا ہے اس لئے ابتداء میں چند لفظ مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کے اس سالانہ اجتماع سے متعلق کہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان کیا ہے کہ جماعت جرمنی ہر پہلو سے ہر شعبہ کے لحاظ سے ترقی کی طرف تیزی کے ساتھ رواں دواں ہے اور ذیلی تنظیمیں اپنے اپنے مقام اور مرتبے کو سمجھتے ہوئے عمومی

طور پر جماعت کا ایک صحت مند جزو بنی ہوئی ہیں اور ان کی اپنی صحت کے لئے ضروری ہے کہ وہ جماعت کے بدن کا ایک جزو بن کر رہیں اس سے الگ اپنی کوئی ایسی شخصیت نہ بنا بیٹھیں جیسے ایک بدن کے اندر کوئی بیرونی شخصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ اگر ایک بدن کا کوئی عضو یا کسی عضو کا کوئی حصہ اپنا الگ تشخص بنا بیٹھے تو اسی کا نام کینسر ہوا کرتا ہے اور یہ کینسر پھر باقی بدن کو بھی کھا جاتا ہے۔ اس لئے نظامِ جماعت کے متعلق حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے جو مسلمان کی تعریف فرمائی ہے وہی صادق آئے تو یہ نظام زندہ رہے گا ورنہ ختم ہو جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا مومن ایسے بھائی بھائی ہیں کہ گویا ایک بدن کے اعضاء ہیں اور بدن میں اگر پاؤں کی انگلی کے کنارے پر بھی کوئی تکلیف پہنچے تو سارا بدن بے چین ہو جاتا ہے۔

اس لئے مجلس خدام الاحمدیہ ہو یا مجلس انصار اللہ یا مجلس لجنہ اماء اللہ یا ذیلی تنظیمیں یا اور کئی قسم کے ذیلی گروہ ہوں جو خدمت دین کے لئے بنائے جاتے ہیں وہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ وہ ایک بدن کا حصہ رہ کر ہی زندہ رہ سکتے ہیں اور ایک بدن کا حصہ رہ کر ہی دوسرے بدن کے لئے خوشخبری کا پیغام بنتے ہیں ورنہ اگر انہوں نے اپنا الگ تشخص قائم کرنے کی کوشش کی تو باقی سب بدن کے لئے نحوست اور لعنت کا پیغام بن جائیں گے۔

اس پہلو سے مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے اور دلی اطمینان کے ساتھ میں کہہ سکتا ہوں کہ اللہ کے فضل سے اگر شروع میں کبھی کچھ ذیلی گروہوں کی طرف سے سر اٹھانے کے رجحانات پیدا بھی ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو یکسر مٹا دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں وہ رجحانات بھی لاعلمی یا غلط فہمی کی وجہ سے ہوئے تھے عدم تربیت کا نتیجہ تھے، دلوں میں کوئی ایسی کجی نہیں تھی کہ وہ ایک مستقل خطرہ بن جاتے۔ پس الحمدللہ اس وقت جماعت جرمنی ایک ہاتھ کے نیچے اس طرح اکٹھی ہے جس طرح اسلام کا تصور آنحضرت ﷺ نے پیش فرمایا ہے۔ سب ایک ہی بدن کا حصہ ہیں، ایک دوسرے کی خوشی کو محسوس کرنے والے، ایک دوسرے کے غم سے تکلیف اٹھانے والے اور مجلس خدام الاحمدیہ اس پہلو سے مبارکباد کی مستحق ہے کہ اگرچہ ایک بہت بڑی اور فعال تنظیم ہے جو جماعت احمدیہ جرمنی کے بدن کا سب سے بڑا حصہ ہے کیونکہ یہاں نوجوانوں کی تعداد دوسروں کے مقابل پر باقی دنیا کی جماعتوں سے زیادہ ہے، اس کے باوجود انہوں نے اپنے عجز اور انکساری کے

مقام کو خوب سمجھا ہے اور کبھی اشارۃً بھی کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہونے دی جس سے خودسری کی بُو آتی ہو۔ پس اس نہج پر آگے بڑھتے رہیں اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو اور اجتماعی برکتیں آپ کو نصیب ہوں۔ برکتیں ہیں ہی وہی، جو اجتماعیت سے حاصل ہوتی ہیں ورنہ انفرادیت تو دراصل موت کا پیغام ہے۔ انفرادیت نظام کے بکھرنے کو کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ترکیب اجزا ہی سے زندگی بنتی ہے اور جب ترکیب اجزا منتشر ہونے لگتی ہے تو اسی کا نام موت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ کی ابدی زندگی عطا فرمائے، روحانی لحاظ سے آپ کی صحت دن بدن بہتر سے بہتر ہوتی چلی جائے اور جماعت کا پہلے سے بڑھ کر ایک فعال حصہ بن سکیں۔

خطبات کے تعلق میں مَیں عٰلِمُ الْغَیْبِ کا مضمون بیان کر رہا تھا اور اس کے بعد پھر رحمان اور رحیم کے مضمون میں بھی داخل ہوئے تھے لیکن عٰلِمُ الْغَیْبِ کے تعلق میں ایک یہ بات بھی بیان کرنی ضروری ہے کہ جہاں تک مومن کی زندگی کا تعلق ہے اس کا غیب خدا کے قبضہ قدرت میں ان معنوں میں ہے کہ اس کے غیب سے ہمیشہ مومن کے لئے ایسے امور رونما ہوتے ہیں جو اس کے دل کو پسند ہوں، اس کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ تکلیفیں ظاہر ہوتی ہیں تو تھوڑی اور خوشیوں کا حصہ ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے کہ

ے غموں کا ایک دن اور چار شادی

فسبحان الذی اخزی الاعادی (درثمین:46)

ایک غم کا دن ہے تو چار شادی اور خوشی کے دن خدا دکھاتا ہے اور اسی طرح دشمنوں کو ذلیل کرتا چلا جاتا ہے۔ مومنوں کا غیب محفوظ ہے کیونکہ ایک پیار کرنے والے خدا کے قبضہ قدرت میں ہے لیکن دشمنوں کا غیب ہمیشہ ذلیل اور رسوا کن ہوتا ہے۔ خود بھی ذلیل اور اوروں کو بھی ذلیل کرنے والا۔ اسی وجہ سے جوں جوں غیب سے پردے اٹھتے ہیں مومن کو زیادہ خوشخبریاں ملنی شروع ہوتی ہیں اور جوں جوں غیب سے پردے اٹھتے ہیں دشمن کی شہادت جو بظاہر خوشی سے لبریز ہوتی ہے یعنی اس کی حاضر زندگی وہ تکلیفوں اور دکھوں اور مایوسیوں میں تبدیل ہونے لگتی ہے۔ یہ ایک ایسی جاری تقدیر ہے، ایک سنت اللہ ہے جس میں آپ کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتے دیکھیں گے۔

پس اس پہلو سے کامل یقین کے ساتھ آگے بڑھیں کہ پردۂ غیب میں جو کچھ بھی ہے ہمارے

لیے بہتر ہے اور دشمن کے لئے اس میں رسوائیاں اور ناکامیاں ہیں۔ یہ یقین ہے جو عمل کو مزید طاقت بخشتا ہے۔اپنی آخرت پر، اپنے انجام پر یقین،قوموں کے لئے بہت قوت اور یکجہتی کا باعث بنتا ہے۔ان کی اجتماعیت کو قائم رکھنے میں یہ یقین بہت گہرا اثر ڈالتا ہے۔پس اس پہلو سے ہم عالم الغیب خدا کے حضور ہمیشہ سجدہ ریز رہیں گے کہ وہ اپنے غیب سے ہمارے لئے جو کچھ بھی نکالے خیر کے سامان نکالے اور دشمن دن بدن ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھتا رہے۔پس پردۂ غیب سے اس کے لئے تو نامرادیاں نکلتی رہیں اور ہمارے لیے کامیابیاں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والی خوشخبریاں۔

اس پہلو سے ابھی چند دن کا ایک ذکر ہے مجھے خیال آیا کہ اس موقع پر میں آپ کو بتاؤں کہ خوف تو مومن کو بھی ان معنوں میں ہوتا ہے کہ پتا نہیں ہم اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں گے کہ نہیں مگر خوف مومن پر غالب نہیں آتا۔ مایوسی میں نہیں تبدیل ہوتا۔ چند دن پہلے تک خدام الاحمدیہ جرمنی کی طرف سے ان کے شعبہ تبلیغ کی طرف سے مجھے بہت پریشانی کے خط مل رہے تھے کہ بہت محنت کر رہے ہیں، بہت کوشش کر رہے ہیں مگر پتا نہیں کیا وجہ ہے کہ ابھی تک ہماری کوششوں کو کامیابی کے پھل نہیں لگے۔ چنانچہ انہوں نے خطوں میں لکھا کہ ہم دعا کی غرض سے یہ بات لکھ رہے ہیں لیکن ہم مایوس نہیں ہیں اللہ جب چاہے گا اپنا فضل فرمائے گا۔آنے سے ایک روز پہلے مجھے اچانک مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کے جو انچارج ہیں اس گروپ کے ان کی طرف سے خوشخبری کا خط ملا کہ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا ہے اور اس طرح اچانک پھل گرنے شروع ہوئے ہیں جیسے پکنے کا انتظار کر رہے تھے اور اب ہر طرف سے خوشیوں کی خبریں مل رہی ہیں اور ہماری توقع کے بالکل برعکس اور خلاف، ہماری تبلیغ میں غیر معمولی کامیابی ہونی شروع ہوگئی ہے۔انہوں نے لکھا کہ پہلے بوسنین اور البانین بات سنتے بھی تھے تو مثبت نتیجہ ظاہر نہیں کرتے تھے اور کچھ شکوں میں مبتلا رہتے تھے۔ اب اچانک ہر طرف سے اطلاعیں ملنی شروع ہوئی ہیں کہ اتنے سو وہاں ہو گئے، اتنے سو ادھر ہو گئے اور خود بخود رابطے کر کے وہ بیعت کی خواہش ظاہر کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے شامل ہو رہے ہیں۔

اس پہلو سے جو اعداد و شمار ہیں وہ کل تک کے یہ تھے جو پہلے بیعتیں سینکڑوں میں تھیں میرے یہاں آنے سے پہلے 4200 ہو چکی تھیں۔صرف خدام الاحمدیہ جرمنی کا حصہ اور کل جو ہماری

مجلس لگی ہے بوسنین اور البانین کے ساتھ اس میں 1082 بیعتیں اور شامل ہو گئیں تو اب خدا کے فضل سے 5282 بیعتیں مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کے حصے میں آئی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک بڑی کامیابی ہے۔ مگر ابھی کافی سفر باقی ہے انہوں نے دس ہزار بیعتوں کا عہد کیا تھا اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے چند ہفتے پہلے تک تو صرف چند سو تھیں اب خدا نے جب رفتار تیز فرمائی ہے سینکڑوں کو ہزاروں میں بدلا ہے تو آپ کو بھی دعا کرتے رہنا چاہئے اور پورے زور سے آخری کوشش کرنی چاہئے کہ جلسہ سالانہ یو کے تک جو سال ختم ہوتا ہے اس سے پہلے پہلے اپنا ٹارگٹ 10000 پورا کرسکیں اور اللہ چاہے تو اس کے علاوہ اور بھی آپ کو عطا فرمائے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جہاں غیب پر بحث فرمائی ہے وہاں ایک عجیب معنی اس سے خدا تعالیٰ کے ہمیشہ ہونے کا نکالا ہے اور یہ کلام ظاہر کرتا ہے کہ کس حد تک حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے عرفان عطا فرمایا تھا کیونکہ تمام اسلامی لٹریچر میں اس پہلو سے غیب کے مضمون کو نہ سمجھا گیا نہ اس پر روشنی ڈالی گئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ عالم الغیب کا ایک مطلب یہ ہے کہ:

> ''وہ جانتا ہے کب اس نظام کو توڑ دے گا اور قیامت برپا کر دے گا اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہوگا۔۔''

یہ جو عبارت ہے اس کو گہرائی میں اتر کر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ہم جو بھی شعور رکھتے ہیں خواہ انسان ہوں یا ادنیٰ سے ادنیٰ جانور، ایک گوبر کا کیڑا ہو وہ کچھ نہ کچھ شعور رکھتا ہے اور اپنے اپنے شعور کے مطابق اس کا ایک عالم ہے اس کے آگے اور پیچھے سب غیب ہے۔ اور غیب کا علم صرف خدا کے لئے ہے کیونکہ وہ شخص جو مرتا ہے اس کے ساتھ پورا عالم مرجاتا ہے اس کا غیب بھی ساتھ ہی فنا ہو جاتا ہے۔ پس اگر کچھ اندازے کرتا بھی ہے کہ آئندہ کیا ہوگا تو وہ اندازے اس کی زندگی تک ہیں، اس کی فنا کے ساتھ اس کا غیب بھی مٹ جاتا ہے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

تو عِلْمُ الْغَيْبِ خدا کا مطلب یہ ہے کہ اس کے غیب کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ کوئی ازل میں ایسا مقام نہیں ہے جہاں کے غیب کا اس کو علم نہ ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ازل سے ہے۔ اگر وہ ازل سے نہ ہو تو عِلْمُ الْغَيْبِ کہا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ آپ ماضی میں سفر شروع کریں جہاں جا کر

آپ خدا کے غیب کے علم کو ختم سمجھیں گے وہیں خدا کا وجود ختم ہو جائے گا لیکن غیب باقی ہوگا۔ پس جب اللہ فرماتا ہے کہ وہ عٰلِمُ الْغَیْبِ ہے تو ماضی میں بھی آخری کنارے تک آپ سوچتے چلے جائیں۔ اس کے بعد پھر اور مضمون آگے بڑھ جائے اور حقیقت میں غیب کا نہ ماضی میں کوئی کنارہ ہے نہ مستقبل میں کوئی کنارہ ہے۔

پس عٰلِمُ الْغَیْبِ کا مطلب یہ ہے کہ اسے فنا نہیں اور دوسری چیزوں کو فنا ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی اور چیز عٰلِمُ الْغَیْبِ نہیں ہے ۔پس عٰلِمُ الْغَیْبِ نہ ہونا فنا کی دلیل ہے اور عٰلِمُ الْغَیْبِ ہونا لامتناہی بقاء کی دلیل ہے۔ ماضی میں بھی ہمیشہ سے ہے اور مستقبل میں بھی وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عٰلِمُ الْغَیْبِ سے یوں نکالا ہے فرمایا ''وہ جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی'' یعنی ہر دوسرے کا غیب ختم ہو جائے گا وہ منصہ شہود میں جو اُبھرتے ہیں عارضی طور پر یہ سلسلہ جاری رہتا ہے مگر ایک ایسا وقت آئے گا کہ خدا کے غیب میں کوئی بھی شریک نہیں رہے گا اور وہ جو غیب کا آخری مضمون ہے یہ خدا کے باقی رہنے اور غیر اللہ کے کلیۃً مٹ جانے کا مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عٰلِمُ الْغَیْبِ کی تشریح میں بیان فرمایا۔فرماتے ہیں:

> ''وہ جانتا ہے کہ کب اس نظام کو توڑ دے گا اور قیامت برپا کردے گا اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہوگا؟ سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے۔۔۔'' (اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد 10 صفحہ:373)

یہ وقتوں کو جاننے والا وہی مضمون ہے جو مجھے رؤیا میں دکھایا گیا تھا کہ اللہ وقت سے بالا ہے اور اس پر وقت نہیں گزرتا۔ پس وہ جو ماضی کے وقت کو بھی جانتا ہے اور مستقبل کے وقت کو بھی جانتا ہے، اس کا ماضی میں ہونا وقت سے بالا اور مستقبل میں ہونا وقت سے بالا، یہ قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے یعنی وقت اس میں کوئی تبدیلی ایسی پیدا نہیں کرتا کہ ماضی کا خدا حال کے خدا سے الگ ہو چکا ہو اور حال کا خدا مستقبل کے خدا سے جدا ہو گیا ہو۔ اس کی صفات میں کوئی ایسی تبدیلی واقع نہیں ہوتی کہ جسے دیکھ کر ہم کہہ سکیں یہ پرانے وقت کی باتیں ہیں اس وقت خدا ایسا ہوا کرتا تھا، یا یہ آج کی بات ہے کل ویسا نہیں رہے گا۔ پس خدا کا وقت سے بالا ہونا اس کے ہمیشہ ہونے کے ساتھ ایک ایسا تعلق

رکھتا ہے جس کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے عِلِمُ الْغَيْبِ سے تعلق جوڑ کے اس مضمون کو ہم پر روشن فرمایا۔

ایک اور مضمون اس میں یہ قابل توجہ ہے کہ یہ جتنے بھی اسماء باری تعالیٰ بیان ہورہے ہیں اس کے آغاز میں اللہ نے ایک عنوان لگایا ہے اور وہ ہے هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وہی ایک اللہ ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پس جتنی بھی صفات باری تعالیٰ بعد میں بیان ہوتی ہیں ان کا دراصل توحید کی آخری سورۃ سے تعلق ہے جو سب سے اعلیٰ شان کی توحید ہے وہ اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ پس اس تعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام جو ان آیات کی تشریح فرمارہے ہیں ان کو غور سے پڑھیں تو اور نئے سے نئے دلچسپ اور دلکش مضامین ابھرتے چلے آتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں، پھر فرمایا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ یہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ پھر فرماتے ہیں الرَّحِيْمُ کے متعلق بھی میں کچھ بیان کر چکا ہوں اگر چہ بہت وسیع مضمون ہے اور اس کے لئے میں نے مختصر بیان کیا تھا کہ جب میں انگلستان آیا تھا تو مسلسل دو تین سال درسوں میں، جو رمضان میں درس ہوتے تھے اس میں انہی صفات پر بحث گزری ہے یعنی سورۃ فاتحہ کے آغاز میں جو چار صفات باری تعالیٰ بیان ہوئی ہیں رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۳﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تو چونکہ وہ مضمون بیان ہو چکا ہے اور بعد میں بھی درس کے دوران مختلف جگہ دہرایا گیا ہے اس لیے میں نے ان خطبات سے اس حصہ کو چھوڑ دیا ہے، الگ رکھ دیا ہے ورنہ یہ خطبات کا سلسلہ بہت لمبا ہو جاتا تو اگر کسی کو دلچسپی ہے تو ان بنیادی صفات باری تعالیٰ سے متعلق پرانے درسوں کی کیسٹیں وغیرہ حاصل کرلے ان میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کے لیے کافی روشنی کے سامان ملیں گے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا ذکر فرماتے ہیں۔

”۔۔۔یعنی وہ خدا جو ہر ایک کی جزا اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے اس کا
کوئی ایسا کار پرداز نہیں جس کو اس نے زمین و آسمان کی حکومت سونپ دی ہو

اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو‘‘ (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ: 373)

یہاں یہ بات یادرکھنے کے لائق ہے کہ جو آیات میں نے تلاوت کی تھیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ان آیات کی تفصیل کے دوران سورۃ فاتحہ کو بھی داخل فرمایا ہے اور اس کے آغاز کو کیونکہ ان کے بغیر، ان کے سہارے کے بغیر ان آیات کی پوری حقیقی سمجھ نہیں آ سکتی۔ سورۃ فاتحہ چونکہ اُم الکتاب ہے یعنی تمام قرآن کریم کی ماں ہے ان معنوں میں کہ ماں کے پیٹ میں بچہ جو صفات لے کر پیدا ہوتا ہے وہ نشوونما پا کر پھر پھیل جاتی ہیں اور اس کی ساری زندگی پر محیط ہو جاتی ہیں۔ دیکھنے میں باہر آ کر انسان بہت ترقی کرتا ہے اور یقین نہیں آ سکتا کہ وہی بچہ تھا جو ماں کے پیٹ میں تھا مگر ایک بھی صفت وہ بعد میں اپنی خود بنا نہیں سکتا۔ وہ تمام تر مادے جو اس کے اندر صلاحیت کے موجود ہیں وہ ماں کے پیٹ سے لیتا ہے۔ اگر نہ لے کر چلے تو وہ کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی لیے ڈاکٹرز جب کوئی مریض دکھایا جائے اور اس سے مایوسی کا اظہار کریں تو بسا اوقات کہتے ہیں کہ ایک Congenital کیس ہے یعنی Congenital اندھا ہے، مادرزاد اندھا ہے اس کے فلاں آثار ماں کے پیٹ میں پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اس لیے اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں بعد میں بننے والا انسان تمام تر ایک بلیو پرنٹ کے طور پر بن جاتا ہے اور جو بن گیا بن گیا اس کے بعد کچھ نہیں بن سکتا۔ پس اسی لیے صفات باری تعالیٰ جو سورۃ فاتحہ میں بیان ہوئی ہیں ان کا تعلق تمام تر قرآن کریم سے ہے اور قرآن کریم میں اسماء الٰہی جس رنگ میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے یا ان کی تشریح ملتی ہے ان کو مزید سمجھنے کے لیے ان چار بنیادی صفات کو سمجھنا ضروری ہے اور ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی تعلق قائم ہوگا۔ اس لیے اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اسی سورۃ پر گفتگو فرما رہے ہیں عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ لیکن بیچ میں سورۃ فاتحہ کی یہ صفات داخل فرما کر پھر مضمون کو دوبارہ واپس انہی آیات کی طرف لے جاتے ہیں۔

یہاں فرمایا مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ وہ جزا سزا کے دن کا مالک ہے جس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جس کو اس نے زمین و آسمان کی حکومت سونپ دی ہو اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو اور آپ کچھ نہ کرتا ہو۔ وہی کارپرداز سب جزا سزا دیتا ہو اور آئندہ دینے والا ہو یعنی خدا کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جس کے سپرد جزا سزا کا نظام اللہ تعالیٰ نے سونپ دیا ہو اور خود الگ ہو

بیٹھا ہو۔ یہ مضمون سمجھ کر توحید کا مضمون ایک نئی شان کے ساتھ ابھرتا ہے اور غیر اللہ سے انسان کلیۃً مستغنی ہو جاتا ہے کیونکہ دنیا میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ اپنے ماتحتوں کو کچھ نہ کچھ جزا سزا کے اختیار دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں لوگ ان کی محتاجی ہمیشہ محسوس کرتے ہیں۔ اگر چہ محبوب کوئی اور ہی ہوں مگر اس کے نوکروں کی خوشامدیں کرنا بھی دنیا کی شاعری میں آپ کو ہر جگہ مضمون ملتا ہے۔ غالب اس مضمون کو یوں بیان کرتا ہے:

ے　واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں صرف درباں ہو گئیں　(دیوان غالب:180)

یعنی جتنی بھی دعائیں مجھے یاد تھیں وہ تو میں دربان کو دے بیٹھا ہوں کہ کسی طرح وہ مجھے چوکھٹ سے گزر کر محبوب تک پہنچنے کی اجازت دے دے۔ اب اس نے گالیاں دیں ہر گالی کا میں نے جواب دعا سے دیا اور جتنی دعائیں تھیں وہ دربان کے حضور صرف کر ڈالی ہیں۔ اب اوپر جا کر جو میری شامت آئے گی اور وہاں سے جو مجھے گالیاں ملیں گی میں اُن کا کیا جواب دوں گا وہ تو میں دربان کو دے بیٹھا ہوں۔ یہ مضمون ہے اور ایک اور شعر میں وہ کہتا ہے:

ے　گدا سمجھ کے وہ چپ تھا میری جو شامت آئی
اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے　(دیوان غالب:359)

کہ پاسباں جو میرے محبوب کی ڈیوڑھی پر بیٹھا حفاظت کر رہا ہے وہ پہلے سمجھا تھا کوئی فقیر آیا ہے اور خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے جوشوق چڑھا کہ میں اس کی خوشامد کروں تا کہ اس کے ذریعہ سے مجھے رسائی ہو تو اُٹھ کر میں نے اس کے قدم تھام لئے۔ اب وہ سمجھ گیا کہ فقیروں کی تو یہ عادت نہیں ہے کہ پاسبانوں کے قدم تھامے یہ اور کوئی مخلوق آئی ہے چنانچہ اس نے پھر میرے ساتھ جو سلوک کیا وہ ''میری شامت آئی'' کے لفظوں میں بیان ہوا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس پہلو سے کسی کو پاسباں مقرر نہیں فرمایا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کو بھی فرماتا ہے لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ:23) تو ان پر داروغہ نہیں تو نہ ان کو کچھ دے گا نہ ان سے کچھ لے سکتا ہے۔ میں ہی ہوں جو اپنی مخلوق سے جیسا چاہوں سلوک کروں۔ اس لیے آخری مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ وہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کے پاس ہمارے

لیے نہ کچھ دینے کے لئے نہ چھیننے کے لئے کچھ ہے۔ پس ہر دوسری چوکھٹ سے یہ مضمون آزادی دلاتا ہے۔ انسان کو کامل طور پر غیر اللہ سے آزاد کرنے والا مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی ذکر میں بیان فرما کر پھر اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ کی بات کرتے ہیں۔ یعنی یہ ایک ضمنی بات تھی تا کہ مالک کے مضمون کو بھی سمجھیں اور پھر اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ جو قرآن کریم میں ان آیات کے اندر بیان ہوا ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی تھیں اس مضمون کو سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''یعنی وہ خدا بادشاہ ہے جس پر کوئی داغ عیب نہیں''۔

اب یہ پہلی دفعہ ایک ایسا مضمون ہے جو آپ کو مالک اور قدوس میں دکھائی دے گا۔ ہر تفسیر یہاں بالکل نئی ہے اور ایسی تفسیر ہے جو لازماً الہامی ہے اس کے بغیر انسان کی ان امور تک رسائی ممکن نہیں ہے اَلْمَلِكُ کو تمام تفاسیر میں الگ باندھا جاتا ہے۔ اس پر الگ بحث کی جاتی ہے اور قدوس پر الگ بحث کی جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ کا مطلب ہے کہ ایسا بادشاہ جو ہر عیب سے پاک بادشاہ ہے اور قدوس کے ساتھ ملائے بغیر خدا کی ملکیت کی کچھ سمجھ نہیں آسکتی اور اس کی شان ظاہر کرنے کے لئے لازم ہے کہ ہم اسے قدوس کے ساتھ اکٹھا ان معنوں میں پڑھیں کہ وہ مالک جو ہر عیب سے پاک ہے۔ یہ مضمون بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔''

> ''یعنی وہ خدا بادشاہ ہے جس پر کوئی داغ عیب نہیں یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں ہے۔۔۔''

یعنی ہر دوسری بادشاہت سے **المالک القدوس** کی جو بریکٹ ہے اکٹھی، اس نے اللہ کو ممتاز کر کے الگ کر دیا۔ کسی اور بادشاہ کو اللہ تعالیٰ سے ان معنوں میں کوئی مشابہت نہیں رہی باوجود اس کے کہ ہر بادشاہ بادشاہ ہی کہلاتا ہے۔ فرق کیا ہے۔ وہ بادشاہ قدوس نہیں ہے اور اللہ قدوس ہے۔ قدوس ہونے کے نتیجے میں اس کی بادشاہت میں کیا فرق پیدا ہوتا ہے اس ذکر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ''یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں اگر مثلاً تمام رعیّت جلا وطن ہو کر دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاوے تو پھر بادشاہی قائم

نہیں رہ سکتی۔۔۔‘‘

یعنی بظاہر بادشاہ حکمران ہے اور مخلوق اس کی محتاج ہے۔آپؑ فرماتے ہیں اگر بنظرِ غور دیکھو تو دنیا کا بادشاہ اتنا بے اختیار ہے کہ وہ اپنی رعیت کا محتاج ہے جبکہ اللہ اپنی مخلوق کا محتاج نہیں ہے اور اگر رعیت یہ فیصلہ کر لے کہ ہم اس وطن کو چھوڑ دیتے ہیں تو بادشاہ اکیلا اپنی بادشاہی کی جوتیاں چٹخاتا پھرے گا، کچھ بھی اس کے پاس باقی نہیں رہے گا سوائے اس کے اپنا قدم، اپنے ہاتھ جو ذات کی طاقت ہے اس سے بڑھ کر اس کی کوئی بھی طاقت نہیں رہے گی لیکن اللہ تعالیٰ اس قسم کا بادشاہ نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک عیب ہے کہ ایک بادشاہ اپنی رعیت سے طاقت حاصل کرے اور کلیۃً اس کا محتاج ہو۔ یہ ایک ایسا عیب ہے جو خدا کی بادشاہی میں نہیں ہے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں ’’مثلاً اگر تمام رعیت قحط زدہ ہو جائے تو پھر خراج شاہی کہاں سے آئے گا‘‘ اب قحط کا وارد ہونا یا نہ وارد ہونا یہ بھی بادشاہت کی عظمت یا اس کی مفلوک الحالی سے تعلق رکھنے والا مضمون ہے۔ ایک ملک کو خدا تعالیٰ قحط زدہ کر دے تو بادشاہت جاری نہیں رہ سکتی۔ نہ خراج ملے گا نہ غذائیت کے لیے کچھ پیٹ بھرنے کے سامان بادشاہ مہیا کر سکتا ہے۔ نتیجۃً فساد پھیلتے ہیں بغاوتیں ہوتی ہیں اور خزانے خالی ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ بعض دفعہ فوج اور پولیس کو دینے کے لئے بھی کچھ باقی نہیں رہتا۔

اسی قسم کے ایک قحط کا ذکر سورۃ یوسف میں ملتا ہے کہ اس بادشاہی کو سہارا ملا تو اللہ کی بادشاہی سے ملا اور یہ مضمون ہے جو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہئے۔ سورۃ یوسف بڑے گہرے مضامین سے بھری پڑی ہے اس میں ایک یہ بھی ہے کہ دنیا کے بادشاہ کا یہ حال تھا کہ اس کو تو غیب کی اتنی بھی خبر نہیں تھی کہ کل کیا ہونے والا ہے، کل یہ ملک کس طرح قحط زدہ ہو جائے گا اور اگر پیش بندی نہ کی گئی تو سب کچھ ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ بڑے آرام سے بیٹھا ہوا ہے۔ اس ملک کو قحط سے بچانے والا وہ بادشاہ تھا جسے خدا نے بادشاہت عطا فرمائی تھی، جو اَلۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ کا نمائندہ تھا اس کو خدا نے خبر دی اور اس کے نتیجہ میں دنیا کی بادشاہت بچائی گئی۔ پس اصل وہ بادشاہ ہے جو ہر دوسری بادشاہت کا سہارا بنتا ہے اگر سہارا بنے اور اگر نہ بنے تو ہر دوسری بادشاہت ہلاک ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں میں نے آپ سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو عیب کا مضمون باندھا ہے اپنے تعلق میں اس کا بھی ذکر کیا تھا۔ انہوں نے خزانے کی چابیاں لینے سے انکار کر دیا یا کوئی بھی عہدہ قبول کرنے سے

انکار کر دیا حتی کہ آزادی سے بھی انکار کر دیا جب تک پہلے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ انہوں نے غیب میں اس عورت کے خاوند سے بے وفائی یا غداری نہیں کی تھی جس کے گھر وہ پلے تھے اور آزادی کس کو پیاری نہیں ہوتی مگر آپ نے کہا نہیں میں ایسی آزادی پر تھوکتا بھی نہیں جس کے ساتھ بددیانتی کا داغ ہمیشہ لگا رہے۔ پس بادشاہ سے کہو تمہارا شکریہ میں باہر نہیں آؤں گا جب تک یہ ثابت نہ کرو، پتا نہ کرلو کہ میں واقعۃً ہی خیانت والا تھا یا خیانت سے پاک تھا۔ جب یہ پتا چل گیا کہ غیب میں انہوں نے خیانت نہیں کی تھی تب وہ باہر تشریف لائے اور خدا تعالیٰ نے دیکھیں کس شان سے اس امانت کا حق ادا کیا کہ سارے ملک کی امانت کی چابیاں آپ کے سپرد کر دیں اور سارے ملک کے امین بنائے گئے۔

اب ایک اور بات بھی جو وہاں میں نے پچھلے خطبہ میں ضمناً ذکر کی تھی مگر اس وقت کھول نہیں سکا تھا مجھے یاد آئی ہے تو وہ بھی ساتھ پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیانت اور تقویٰ کی خاطر اپنے اوپر داغ نہیں لگنے دیا اس کے نتیجے میں خدا تعالیٰ نے صرف یہی فضل نہیں کیا کہ اس وقت آپ کو سارے خزانوں کی کنجی تھمی جو دی گئی بلکہ بچپن میں جو جھوٹا ایک الزام لگا تھا اس کا داغ بھی اسی واقعہ کے نتیجے میں دھویا گیا ہے کیونکہ جب یوسفؑ کے بھائی آئے اور پھر وہ چوری کا الزام لگا تو اس وقت وہ چوری کا الزام دو طرح سے حضرت یوسفؑ کے حق میں کام آ گیا۔ اوّل یہ کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی جنہوں نے حضرت یوسفؑ پر چوری کا الزام لگایا تھا ان پر چوری کا الزام لگ گیا اور وہ خود سزا پا گئے اور دوسری طرف ان کے دل کا یہ کینہ باہر نکل آیا کہ اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی یعنی حضرت یوسفؑ نے بھی چوری کی تھی یہ الزام انہوں نے اس وقت سے پال رکھا ہوا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے ان میں سے کئیوں کے دل میں واقعۃً یہ یقین ہو تبھی اتنی دیر کے بعد ان کا خیال آیا کہ یوسفؑ نے بھی ایک دفعہ چوری کی تھی اور حضرت یوسفؑ کے سامنے خدا تعالیٰ نے ان کی گردنیں جھکائیں اور ثابت کر دیا کہ یوسفؑ نے چوری نہیں کی تھی۔ تو ایک دیانتداری کے نتیجہ میں اور خیانت کے داغوں سے بھی آپ کو پاک فرمایا گیا۔

یہ ہے عٰلِمُ الْغَیْبِ خدا جس کے ساتھ اگر آپ تعلق باندھیں تو غیب میں جیسا خدا ہم سے سلوک فرماتا ہے ویسا خدا کے بندوں سے بھی آپ غیب میں سلوک فرمانا شروع کریں اور اگر آپ غیب میں خدا کے بندوں سے ویسا سلوک فرمائیں گے تو اللہ پھر اپنے غیب سے اور نعمتیں آپ

کے لئے ظاہر کرتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے حیرت انگیز طریق پر انعام نازل فرمائے۔ پس غیب کے مضمون کو غائب کے معنوں میں نہ سمجھیں۔ غیب سے آپ کا حال بھی پھل پاتا ہے، آپ کی شہادت بھی رونق پاتی ہے اور آپ کا مستقبل بھی عٰلِمُ الْغَیْبِ خدا سے تعلق جوڑنے کے نتیجہ میں سنورتا ہے اگر آپ غیب کا حق ادا کرنا خدا سے سیکھ لیں اور غیبو بیت میں اس دنیا میں امانت اور صداقت کے حقوق ادا کرنا سیکھ لیں۔

بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام یہاں اس موقع پر فرماتے ہیں کہ

’’۔۔تمام رعیّت قحط زدہ ہو جائے۔۔‘‘

اب کسی کو کیا پتا کہ کل کیا ہونے والا ہے اور بادشاہت اس کے ساتھ ہی جاتی رہے گی۔ فرماتے ہیں:

’’۔۔اور کچھ نہیں تو اگر بغاوت کے آثار ظاہر ہوں اور ایک رعیت کہنے لگے کہ تمہیں ہم پر کیا فضیلت حاصل ہے اور ہم تمہاری بادشاہت کو تسلیم نہیں کرتے۔۔‘‘

اب یہ وہ بات ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال کے کچھ عرصہ بعد روس میں عملاً ظاہر ہوئی اور زار کی زاریت کے جو ٹکڑے اڑے ہیں وہ اسی باغیانہ روش کے نتیجے میں اڑے ہیں جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ:

زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار

تو غیب کی خبروں کے ذکر میں اللہ تعالیٰ آپؑ کی زبان سے بھی غیب کی باتیں جاری فرما رہا تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ

’’۔۔۔وہ ایک دم میں تمام ملک کو فنا کر کے اور مخلوقات پیدا کر سکتا ہے۔۔۔‘‘

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 373)

یہ جو اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے یہ اسے دوسروں کے سامنے جھکنے سے آزاد کر دیتا ہے۔ اگر بادشاہ کی رعیت اسے چھوڑ جائے یا بغاوت کر جائے یا ملک کسی اور طریقے سے مصیبتوں کا شکار ہو جائے تو براہ راست بادشاہ کی بادشاہت ختم ہوتی ہے کیونکہ وہ قادر نہیں ہے، توانا نہیں ہے، خالق نہیں

ہے۔مگر اللہ کی بادشاہت کو ایک ذرہ بھی فرق نہیں پڑ سکتا۔اگر تمام مخلوقات اس سے روگردانی کریں تو وہ ان سے بہتر مخلوقات پیدا کر سکتا ہے اور یہ جو خیال ہے یہ ایک تصور کی بات نہیں قرآن کریم میں بعینہٖ یہی مضمون بیان ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بنی نوع انسان ہم تمہیں متنبہ کرتے ہیں کہ اگر تم نے صحیح روش اختیار نہ کی تو خدا اس بات پر قادر ہے کہ تمہیں فنا کر دے اور تمہاری جگہ تم سے بہتر مخلوق بنا لائے اور وہ مخلوق ایسی ہوگی کہ پھر تمہاری طرح نافرمانی نہیں کرے گی بلکہ تم سے بہتر اخلاق کا مظاہرہ کرے گی۔تو وہ بادشاہ جو عیب سے پاک ہے اس کو کسی کی حاجت نہیں ہے۔پس خالق ہونا اور قادر ہونا یہ چونکہ عیب سے پاک ہونے کی نشانی ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ کے ضمن میں دوسری صفات وہ بیان فرمائیں جن کا یہاں بظاہر ذکر نہیں ملتا لیکن انہی مذکورہ صفات سے وہ پیدا ہوتی ہیں۔

فرمایا، بادشاہ جو قدوس ہو اس کا لازماً یہ معنی ہے کہ ہر عیب سے پاک ہے اور اللہ کی بادشاہت عیب سے پاک ہو نہیں سکتی جب تک کہ وہ قادر نہ ہو، جب تک کہ وہ خالق نہ ہو، جب تک کہ وہ بدیع نہ ہو اور ان تمام صفات کے نتیجے میں اس کی ملکیت ہر عیب سے پاک بن کر ابھرتی ہے۔پس جیسا کہ میں نے ایک دفعہ پہلے بیان کیا تھا صفات کی کوکھ سے دوسری صفات پھوٹتی ہیں اور قرآن کریم میں جو سورۃ فاتحہ میں چار صفات بیان ہوئی ہیں ان پر اگر آپ غور کریں یعنی گہرائی سے غور کریں اور دعا کے ذریعہ توفیق مانگیں تو پھر آپ حیران رہ جائیں گے یہ دیکھ کر کہ ان صفات سے تمام صفات باری تعالیٰ کا ایسا ہی تعلق ہے جیسا ماں کا بچے سے ہے۔ماں کی صفات جس طرح بچہ حاصل کرتا ہے اور نئی چیز لے کر نہیں آتا اسی طرح قرآن کریم کی تمام صفات رب، رحمٰن، رحیم اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی صفات کے بچے ہیں اور انہیں سے پھوٹتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”اگر وہ ایسا خالق اور قادر نہ ہوتا تو پھر بجز ظلم کے اس کی بادشاہت چل نہ سکتی۔۔۔“

اب یہ بھی بہت اہم مضمون ہے قدوس خدا جو ہر عیب سے پاک ہے چونکہ اس کا قادر ہونا ضروری ہے اس کا خالق ہونا ضروری ہے اس لئے وہ ظلم سے پاک ہے اور کوئی بادشاہ جو خالق اور قادر

نہ ہو وہ ظلم کرنے پر مجبور ہو جایا کرتا ہے مگر اللہ کا ظالم نہ ہونا اس کی عظیم الشان صفات یا مقدرتوں کے نتیجے میں ہے۔ اس کی تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''۔۔۔اگر وہ ایسا خالق اور قادر نہ ہوتا تو پھر بجز ظلم کے اس کی بادشاہت چل نہ سکتی۔۔۔''

اور بہت سی وجوہات کے علاوہ ایک یہ وجہ بیان فرمائی ہے۔

''۔۔۔کیونکہ وہ دنیا کو ایک مرتبہ معافی اور نجات دے کر پھر دوسری دنیا کہاں سے لاتا۔ کیا نجات یافتہ لوگوں کو دنیا میں بھیجنے کے لئے پھر پکڑتا اور ظلم کی راہ سے اپنی معافی اور نجات دہی کو واپس لے لیتا۔۔۔''

یہ وہ مضمون ہے جس کا ذکر آپ کو براہین احمدیہ میں آریوں کے ساتھ بحث میں ملتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی مضمون میں خدا تعالیٰ کے ہمیشہ سے ہونے ہی کی نہیں بلکہ خالق ہونے کی دلیل نکالی ہے اور باری ہونے کی دلیل نکالی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

جو شخص نئی چیزیں پیدا نہیں کرسکتا اور روحیں ہمیشہ سے ہیں جیسا کہ آریہ سمجھتے ہیں تو پھر جب ان کو معاف کر دیا تو وہ سب روحیں خدا کے دائرۂ اختیار سے ایک طرف ہٹتی چلی جائیں گی۔ دائمی نجات حاصل کر کے ان کو دوبارہ دارالعمل میں نہیں بھیجا جاسکتا اور اگر بھیجا جائے تو ظلم ہوگا کہ ایک ہاتھ سے تو معافی دی دوسرے ہاتھ سے معافی واپس لے لی۔ پس خدا تعالیٰ کا ظالم نہ ہونا اس بات کا متقاضی ہے، اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کی بجائے جب چاہے دوسری مخلوق پیدا کر سکے۔ پس اگر ایک مخلوق کو معافی دے کر دارالعمل سے ہمیشہ کے لئے نجات بخش دی ہے تو اس کی دنیا مخلوقات سے خالی نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ نئی پیدا کرتا چلا جاتا ہے اور یہ اس کے دائمی ہونے کا ایک ثبوت ہے۔ ورنہ اگر وہ ایک دفعہ روحوں کو معافی دے دیتا اور ظلم نہ کرتا تو چونکہ ازل کا کوئی کنارہ نہیں ہے اس لئے لامتناہی مدت پہلے جس کا انسان تصور بھی نہیں باندھ سکتا تمام مخلوق خدا کے قبضۂ قدرت سے باہر نکل چکی ہوتی اور چونکہ ایسا نہیں ہوا اس واسطے یہ عالم کون و مکان اس بات کا گواہ ہے کہ خدا وہ خدا ہے جو ہمیشہ سے موجود روحوں کا محتاج نہیں، ہمیشہ سے موجود مادے کا محتاج نہیں ہے بلکہ جب چاہتا ہے نئی روحیں پیدا کرتا ہے، جب چاہتا ہے نیا مادہ پیدا کرتا ہے وہ صرف ''کُن'' کہتا ہے اور اس کے ارادے سے ہر چیز وجود میں آجاتی ہے'' یہ وہ مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے اس کے ظالم نہ ہونے کے منطقی نتیجے کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں

> ”دنیا کے بادشاہوں کی طرح داغ دار بادشاہ ہوتا جو دنیا کے لئے قانون بناتے ہیں، بات بات پر بگڑتے ہیں اور اپنی خود غرضی کے وقتوں پر جب دیکھتے ہیں کہ ظلم کے بغیر چارہ نہیں تو ظلم کو شیر مادر سمجھ لیتے ہیں“۔

اگر خدا ایسا ہوتا تو پھر خدا بھی ظلم کے بغیر رہ نہیں سکتا تھا کیونکہ بادشاہوں کا ظلم ان کی بے اختیاری کے نتیجے میں ان کے لئے لازم ہو جاتا ہے۔ اس مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں۔

> ”مثلاً قانون شاہی جائز رکھتا ہے کہ ایک جہاز کو بچانے کے لئے ایک کشتی کے سواروں کو تباہی میں ڈال دیا جائے اور ہلاک کر دیا جائے۔۔۔“

تو یہ بادشاہ کے لئے مجبوری کا فیصلہ ہے اور دنیا کی تمام حکومتوں میں ہمیشہ سے یہ ہوتا چلا آیا ہے اور آج کے زمانے میں بھی یہی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت یونسؑ نبی جب کشتی میں سوار تھے تو جب کشتی ڈولی ہے اور خطرہ پیدا ہوا ہے کہ ڈوب جائے گی اور ایک شخص کا بوجھ کم کرنا چاہئے تو قرعہ حضرت یونسؑ کے نام نکلا اور ہے یہ ظلم کہ ایک معصوم آدمی کو پھینک دیا جائے باقیوں کو کیوں نہ پھینکا جائے، کس کو پھینکا جائے کس کو نہ پھینکا جائے۔ جہاں وجہ ترجیح باقی نہ رہی وہاں ظلم شروع ہو گیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں یہ دنیاوی بادشاہوں کی بے اختیاری کی نشانی ہے مجبوری ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ ایک کشتی کے سواروں کو ہلاک کرنے سے پورے جہاز کی سواریاں بچ سکتی ہیں تو کہتے ہیں کہ اس کو قربان کر دو کوئی فرق نہیں پڑتا مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے فرماتے ہیں۔

> ”مگر خدا کو تو یہ اضطرار پیش نہیں آنا چاہئے۔ پس اگر خدا پورا قادر اور عدم سے پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو یا تو وہ کمزور راجوں کی طرح (راج سے مراد یہاں بادشاہ یا ریاستوں کے سربراہ ہیں) قدرت کی جگہ ظلم سے کام لیتا یا عادل بن کر خدائی کو ہی الوداع کہہ دیتا بلکہ خدا کا جہاز تمام قدرتوں کے ساتھ سچے انصاف پر چل رہا ہے۔ پھر فرمایا۔ اَلسَّلٰمُ یعنی وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے، (محفوظ ہی نہیں) بلکہ سلامتی دینے والا ہے۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ: 374)

اب وہ بادشاہ جو اپنی انسانی مجبوریوں کی وجہ سے بار بار ظلم کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جب مخلوق فاقے کر رہی ہے اور اس کو اپنی سلطنت کو بچانے کے لئے زیادہ خرچ کی ضرورت ہے تو ظالمانہ ٹیکس بھی لگاتا ہے۔ کئی طرح کے حیلے بنا کر وہ آخر اپنی مخلوق کی تکلیف کے برتے پر اپنی خوشی حاصل کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

وہ خدا جو اَلۡمَلِکُ الۡقُدُّوۡسُ ہے اس سے چونکہ کسی ظلم کا کوئی خطرہ نہیں اس لئے اس کے بعد فرمایا السَّلٰمُ یعنی وہ خدا سلام ہے خود بھی ہر قسم کے خطرے سے بالا پاک ہے اور تمام مخلوق بھی اس کی طرف سے ہر قسم کے خطرے اور تکلیف سے پاک اور محفوظ ہے یہ معنی ہیں السَّلٰمُ کے اور السَّلٰمُ کو خدا نے اَلۡمَلِکُ الۡقُدُّوۡسُ کے ساتھ اس لیے جوڑا کہ وہ بادشاہ جو ہر قسم کے عیب سے پاک ہوگا اس کی طرف اس کی رعایا کو کوئی خطرہ نہیں وہ لازماً امن میں ہے۔ ورنہ بادشاہ جو نقائص رکھتا ہے اس کی رعایا کو کبھی کبھی خود اس بادشاہ کی طرف سے خطرہ درپیش ہوگا اور پھر اس کے برعکس بھی درست ہے۔ ایسے بادشاہ کو کبھی بھی پوری طرح امن نصیب نہیں ہوتا جو نقائص سے پاک نہ ہو اور بسا اوقات اپنی رعایا کی طرف سے اس کو خطرہ درپیش ہوتا ہے اور جتنے ظلم بادشاہتوں کی طرف سے منسوب کیے جاتے ہیں اس کی مرکزی وجہ یہی ہے کہ اگر اورنگ زیب نے بھائیوں کی آنکھیں نکلوائیں اور باپ کو قید کیا اور بڑے بڑے مظالم کے سلوک کئے تو بہت داغ دار بن کر اس کی شخصیت ابھرتی ہے لیکن اس کی ایک مجبوری تھی جو ہر بادشاہ کے ساتھ لگی ہوئی ہے کیونکہ وہ ان کی طرف سے نہ اپنے باپ کی طرف سے امن میں تھا نہ اپنے بھائیوں کی طرف سے امن میں تھا۔ تو السَّلٰمُ کہہ کر یہ فرمایا کہ اَلۡمَلِکُ الۡقُدُّوۡسُ ہے داغوں سے پاک بادشاہ ہے۔ یہ اپنی مخلوق کی طرف سے امن میں ہے اس کو اپنی مخلوق کی طرف سے کوئی بھی خطرہ نہیں ہے اور چونکہ اپنی مخلوق کی طرف سے اس کو خطرہ نہیں ہے اس کا برعکس بھی درست ہے کہ اس کی مخلوق کو بھی اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پس وہ السَّلٰمُ ہے کامل سلامتی ہے اور اگر کسی نے سلام ڈھونڈنا ہو، نفس کا سکون تلاش کرنا ہو، طمانیت حاصل کرنی ہو، دنیا کے خطروں سے بچنا ہو اور اپنے شر سے دوسروں کو محفوظ کرنا ہو تو سلام خدا سے اس کا تعلق جوڑنا لازمی ہے۔

یہ وہ مضمون ہے جو اس الٰہی صفت یا اسم الٰہی پر غور کرنے سے ہمیں سمجھ آتی ہے اور یاد رکھنے

کے لائق بات یہ ہے کہ اسلام کا نام لفظ سلام ہی سے لیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں جب تک کہ وہ سلام خدا سے اپنا تعلق نہ جوڑ لے اور جب وہ سلام خدا سے تعلق جوڑے گا تو بنی نوع انسان اس کے شر سے محفوظ ہو جائے گی اور وہ جس کے شر سے بنی نوع انسان محفوظ ہو جائے محض اس لیے کہ اس نے سلام خدا سے تعلق باندھا ہے تو اللہ رفتہ رفتہ اس کو بنی نوع انسان کے شر سے محفوظ کرتا چلا جاتا ہے اور دن بدن اس کا سفر سلامتی کے بعد ایک اور سلامتی کی طرف اٹھتا ہے اور ایک اور سلامتی کے بعد پھر ایک اور سلامتی میں وہ داخل ہوتا ہے اور یہ لامتناہی سفر سلام کا سفر ہے۔ یہاں تک کہ انسان جب مرنے کے بعد خدا کے حضور پیش ہوگا تو جنت میں بھی قرآن کریم فرماتا ہے کہ سلام کے لفظ سے اس کا استقبال کیا جائے گا۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یٰسین:59) رَّبٍّ رَّحِيْمٍ کی طرف سے اس کو سلام کا پیغام پہنچے گا۔

کیونکہ اب وقت ختم ہو چکا ہے اس لئے میں اس پہلو پر چند لفظ کہہ کر آپ سے اجازت چاہوں گا کہ آپ نے بھی دنیا میں سلام خدا کی نمائندگی کرنی ہے۔ اس کے بغیر یہ دنیا امن کا گہوارہ بن نہیں سکتی۔ جن ملکوں میں آپ ہیں ان میں طرح طرح کی بدامنیاں ہیں، طرح طرح کے خطرات ہیں، ایک انسان دوسرے انسان سے محفوظ نہیں یہاں تک کہ بعض مظلوم بچے اپنے ماں باپ سے بھی محفوظ نہیں جن سے ان کو سب سے زیادہ حفاظت کی توقع ہوتی ہے۔ Child abuse کے Cases عام ہیں۔ چوری، دغابازی، دھوکہ، فساد، ڈاکے، چند پیسوں کی خاطر قتل، ہر قسم کے جرائم جو دنیا میں پھیلتے ہیں یہ خدا سے دوری کا نتیجہ ہیں۔ پس آپ چونکہ سلام خدا کے نمائندہ ہیں جب تک آپ سلام سے اپنا تعلق نہیں جوڑتے آپ پر بھی سلامتی نازل نہیں ہوسکتی اور آپ دنیا کے لئے بھی سلامتی کا موجب نہیں بن سکتے۔ سلام خدا سے تعلق جوڑنے کا یہ طریق نہیں کہ آپ لفظ سلام، سلام دہراتے رہیں۔ سلام خدا کے اس مضمون پر غور کریں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی تفسیر کے حوالے سے میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے تو لازم ہے کہ اگر سلام خدا سے آپ کو محبت اور تعلق ہے تو آپ اپنے لئے سلام کی صفات اپنانے کی کوشش کریں گے۔ جو صفات سلام خدا کی آپ کے سامنے رکھی گئی ہیں ان کو اپنی ذات میں پرکھ پرکھ کر اُلٹ پلٹ کر دیکھتے رہیں کہ وہ صفات آپ کی ذات میں موجود اور محفوظ ہیں کہ نہیں۔ اگر آپ سے دنیا کو آج خطرہ نہیں ہے اور کل خطرہ ہو تو پھر سلام

سے آپ کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ سلام کی صفت زمانے سے پاک ہے۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک انسان اچھے حال میں ہے، کھاتا پیتا ہے، وہ اپنے دوستوں سے جو معاملہ کرتا ہے ان کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کو ضرورت کوئی نہیں ہے بے وجہ ہمیں تنگ نہیں کرے گا مگر کل کو حالات بدل جاتے ہیں، کل کلاں کو اس پر ایسی مصیبت ٹوٹتی ہے کہ وہ مفلوک الحال ہو جاتا ہے۔ پھر بھی اگر وہ سلام ہی ہے اور پھر بھی اگر دوسروں کے اموال کو اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تو یہ وہ تعلق ہے جو اس کا سلام خدا سے قائم ہو چکا ہے اور اگر یہ تعلق قائم ہو جائے تو پھر انتہائی تکلیف کے وقت بھی اس کے لئے مایوس ہونے کا کوئی مقام نہیں کیونکہ واقعہ ہے اور اس میں ایک ذرہ بھر بھی شک نہیں کہ جو لوگ خدا یعنی سلام خدا سے تعلق جوڑتے ہیں ان کی ہر بدامنی سلامتی میں تبدیل کی جاتی ہے۔

چنانچہ مسلمانوں سے جو خدا نے وعدہ فرمایا آیت استخلاف میں مذکور ہے اس وعدے میں یہ بات مرکزی طور پر بیان فرمائی کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ (النور:56) کہ خدا یہ عہد کرتا ہے کہ وہ مسلمان جو خلافت کے ساتھ وابستہ رہیں گے اور اپنے آپ کو خدا کا خلیفہ سمجھتے ہوئے اس کے حق ادا کریں گے ہم ان کے ہر خوف کو امن میں تبدیل کر دیں گے۔ پس یہ سلام خدا سے تعلق ہے جس کی جزا ہے اور دنیا کو آج صفت سلام کی بے انتہا ضرورت ہے۔ اندرونی طور پر، بیرونی طور پر، گھروں میں، گلیوں میں، شہروں میں، ملکوں میں ہر طرف بدامنی پھیلتی جا رہی ہے۔ پس آپ سلام بنیں گے تو دنیا کے لئے سلامتی کی کوئی امید ہوگی۔ آپ جو خدا کے نمائندہ ہیں اگر آپ نے سلام بن کر نہ دکھایا تو اس دنیا کے امن کے لئے کوئی ضمانت نہیں ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین